اردو کا پہلا اساطیری افسانہ

ڈاکٹر قاضی عابد

Abstract

Urdu short story established a strong creative relationship with mythology in its early stages. Main short story writersof this era like Rashid Ul Khairy,Prem Chand and Sajjad Haider Yildirum have used myths of various cultures and civilizations as components and raw material in thier short stories.This research article claims that *Kharistan-o-Gulistan* is the very first Urdu short story that has a clear mythical stuff. In the last and third part of the story we come across the myth of Zeus and Leda. The Swan is the symbol of love and transformation in this story. The same symbols are found in Indian Mythology, in the story of Nul and Damainty. Hence, this story by Yildirim is linked with the mythologies of two different civilizations having similar symbols.

اُسطورہ قصے اور کہانی کا اس کائنات میں قدیم ترین روپ ہے۔عربی زبان کے اس لفظ کا مادہ 'سطر' ہے (۱)اور یہ معانی کی سطح پر اپنے یونانی متبادل Muthos سے حیران کن حد تک مشابہت رکھتا ہے۔'اسطورہ' کے معنی ایک ایسی کہانی کے ہیں جس کی سچائی کو عام طریقوں سے ثابت نہ کیا جا سکے جبکہ Muthos اور Logos کے تال میل سے جنم لینے والا لفظ Myth بھی کم و بیش انہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اسے بالعموم ایسی کہانی تصور کیا جاتا ہے جس کی واقعیت اس ثقافت کے لوگوں کے عقیدے،ایمان یا روایت کا اس طرح سے اٹوٹ حصہ ہو کہ اس ثقافت سے متعلق لوگوں کی اکثریت اس کی واقعیت یا سچائی کو زیرِ بحث نہ لاتی ہو(۲)۔

مختصر لفظوں میں 'اسطورہ' ایک ایسی کہانی ہوتی ہے جس میں دیوی دیوتاؤں یا ان کی نمائندہ یا قائم مقام شخصیات کے اوصاف وفضائل یا کارنامے بیان کیے گئے ہوں یا پھر مذہبی روایات سے متعلق ایسی کہانی جس میں کسی ماورائی یا مافوق الفطرت نوعیت کے مذہبی یا مابعد الطبیعاتی تجربے کو بیان کیا گیا ہو(۳)۔لیکن اساطیر فہمی میں اسے کسی معین کلیے کے طور پر نہیں لیا جا سکتا۔اساطیر شناسوں کی ایک جماعت اساطیر کو کائنات اور فطرت کے رموز کو بیان کرنے والی کہانیاں بھی قرار دیتی ہے(۴)۔یہ کہانیاں جدید نثری قصوں (داستان، ناول،افسانہ) کے قدیم اجداد

میں شمار کی جاتی ہیں، اس لئے ان جدید نثری اصناف پر ان کہانیوں کے اثرات بھی بہت گہرے اور واضح ہیں، اس مضمون میں اردو کے اُس اولین افسانے کی نشاندہی کی جائے گی جس نے قدیم اساطیر سے اپنا رشتہ جوڑ کر اردو افسانے کو ایک نئی راہ دکھائی۔

پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم کو اردو افسانے کا بانی قرار دیا جاتا رہا ہے اور اسی حوالے سے دوستو وسکی کا وہ جملہ کہ ''ہم سب گوگول کے اوور کوٹ سے نکلے ہیں'' بطرزِ تعریض بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے لیکن جدید تحقیق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ راشد الخیری (۵) اردو کے پہلے افسانہ نگار (پہلا افسانہ نصیر اور خدیجہ، مخزن، شمارہ ۳، جلد ۶، دسمبر ۱۹۰۳ء) ہیں۔(۶) دوسری بات یہ کہ اردو افسانے کے ناقدین نے مغربی تنقید سے مرعوب ہو کر جن مباحث کو اپنا موضوع بنایا اس سے بھی یوں ہی لگتا ہے کہ افسانے کی صنف کو ہم نے باقاعدہ کسٹم ڈیوٹی ادا کر کے مغرب سے درآمد کیا۔(۷) لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس حوالے سے پریم چند پر اعتراض کرنے والے ناقدین بھی پریم چند کے ابتدائی افسانوں کو فراموش کر دیتے ہیں جو مواد، تکنیک اور مزاج تینوں اعتبار سے داستان سے گہرے طور پر جڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، اسی طرح سے راشد الخیری اور سجاد حیدر یلدرم کے افسانے بھی کئی حوالوں سے داستان کے مزاج کے قریب ہیں، مغرب کا اثر تو پریم چند اور ان کے مقلدین نے بہت دیر میں جا کر قبول کیا۔ پریم چند کے ہاں تو مطالعے کی ابتداء بھی داستان سے ہوئی۔ ڈاکٹر انوار احمد کے بقول ''ایک تمبا کو فروش کے ہم مکتب بیٹے کے ساتھ ''طلسم ہوشربا'' کے مطالعہ نے پریم چند کو کہانی بننے کا جو شعور دیا اس کا کھلا اظہار ان کے ابتدائی افسانوں میں ملتا ہے۔''(۸)

خود پریم چند نے ''میرے بہترین افسانے'' کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ''مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ عوام آج الف لیلیٰ کی کہانیوں سے جس قدر محظوظ ہوتے ہیں اتنا جدید ناولوں سے نہیں ہوتے۔''(۹) ہمارے ناقدین کی سہل انگاری کے سبب مقبول ہونے والا یہ نظریہ کہ افسانہ ہم نے مغرب سے درآمد کیا یا ہمارا افسانہ بھی ''گوگول'' کے اوور کوٹ سے نکلا، ادھوری صداقت پر مبنی ہے۔ افسانے نے اپنے تخلیقی اور تکنیکی نقوش داستان سے جدا کرتے ہوئے بھی داستان کے کئی اثرات کو اپنے اندر سمیٹا، انہی اثرات اور عناصر میں سے ایک اساطیر کے ساتھ تخلیقی وابستگی بھی ہے۔

اردو افسانے نے ابتداء ہی سے اساطیر کے ساتھ ایک زندہ تخلیقی تعلق استوار کیا، یہ افسانے کی اندرونی ضرورت تھی یا افسانہ نگاروں کی، یہ اس امر پر بحث کا محل نہیں لیکن اردو کے ابتدائی افسانہ نگاروں نے شعور اور لاشعور

ہر دو سطحوں پر اساطیر کو اپنی تخلیق کا حصہ بنانے کی کوشش کی۔

اردو کے اوّلین افسانہ نگار راشد الخیری کے ہاں ہمیں اسلامی اساطیر کے ساتھ ایک تخلیقی تعلق قائم کرنے کی کوشش ملتی ہے لیکن ان کے ہاں ''مصورِ غم'' ہونے کی خواہش اور کمزور مرثیوں والی رقت اس عنصر کو ابھرنے یا پنپنے نہیں دیتی، ان کے افسانے ''کلوپٹیاں'' اور ''خیالستان کی پری'' اپنے تمثیلی انداز اور اسلامی ہیروز کی وجہ سے ''جدید اسطورہ'' بن سکتے تھے لیکن راشد الخیری کی جذباتیت نے ان کرداروں کے اندر وہ ''سورمائی خصائص'' پیدا نہیں ہونے دیئے جو اساطیری کرداروں کو ''اساطیری کردار'' بناتے ہیں۔ اصلاح پسندی کے جذبے نے راشد الخیری کو فن کے حوالے سے خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ اسلامی تاریخ سے اسی شغف کی وجہ سے پریم چند نے بھی راشد الخیری کی افسانہ نگاری پر کئی اعتراضات کئے۔

> ''ان کے جتنے سوشل ناول اور افسانے ہیں، وہ بھی جوش اصلاح سے لبریز ہیں۔ وہ استقلال سے بھی کام لیتے ہیں، نصیحتوں سے بھی اور اسلام کی تاریخ اور روایات اور شرعی احکام سے بھی، کاش ان کی آواز صورِ اسرافیل کی سی ہنگامہ خیز ہوتی۔ اس انہماک میں بعض اوقات ان کی تصانیف میں فنی خامیاں پیدا ہو گئی ہیں، کبھی کبھی ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی خطیب کی اپیل ہے کوئی ادبی تخلیق نہیں۔''(۱۰)

سید سجاد حیدر یلدرم، وہ پہلے افسانہ نگار ہیں جن کے ہاں افسانے کی بنت میں اساطیر کی شمولیت کا عمل واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے یلدرم کے افسانے ''خارستان وگلستان'' کو اردو کا پہلا جنسی افسانہ قرار دیا ہے۔ یہی افسانہ اردو کا پہلا اساطیری افسانہ بھی ہے۔(۱۱) اس افسانے کا موضوع مرد اور عورت کے تعلقات کی اساس ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کا خیال ہے کہ ''اس افسانے میں اگرچہ بُعد زمان ومکان کی داستانوی تکنیک اختیار کی گئی ہے، مگر گلستان خارستان اور پھر شیرازہ کے عنوان سے تین حصے قائم کئے گئے ہیں۔ پہلے دو ادھوری دنیاؤں اور تیسرا مکمل اور بھرپور کائنات کا مظہر ہے۔''(۱۲) اساطیر کا یہ ٹکڑا پہلی ادھوری دنیا میں موجود ہے:

> ''اس نے دیکھا کہ اس کے پاس ایک سفید براق ہنس پھر رہا ہے، اسے ہی اس نے گود میں لے لیا اور اس کے سفید سینے کو اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیا، اس کی گردن کو اپنی گردن سے ملا دیا اور تمام قوت سے اسے بھینچنا شروع کیا اور

اس طرح پرندے کے نرم پروں میں اپنی آنکھوں کو کچھ کھولے، کچھ بند کئے،
بدن کو جھکائے، دیر تک بے حرکت پڑی رہی۔" (۱۳)

شمس الرحمٰن فاروقی اردو تنقید میں وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس ٹکڑے کی اساطیری جہت کی طرف نشان دہی کی ہے اور اسے یونانی اساطیر کے ایک واقعہ سے جوڑا ہے۔

"یونانی صنمیات کی 'Leda' کی یہ صدائے بازگشت یلدرم کی پلپلی نثر میں آ
کر خاصی رکیک معلوم ہونے لگی ہے۔" (۱۴)

مسئلہ یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کے نزدیک عظیم ترین خیالات کی ترسیل شاعری کے ذریعے ممکن ہے اس لئے انہیں ڈبلیو، بی ییٹس کی نظم "Leda and the Swan" (۱۵) تو اعلیٰ لگتی ہے لیکن موضوع کے سیاق و سباق میں جڑی ہوئی یہ تصویر "پلپلی" محسوس ہوتی ہے، اس اساطیری حصے سے پہلے سیاق وسباق میں موجود یہ جملے اس حصے کو برمحل بھی بناتے ہیں اور معنویت کو بھی آگے بڑھاتے ہیں۔

"اتنے میں ایک قسم کی چھوٹی پریاں، صدف بحر کی بنی ہوئی نفیریاں اور دف اور
سارنگی اور ستار غرض یہ کہ پورا ساز لئے ہوئے نسرین نوش کے گرد اڑنے اور ستار
بجانے لگیں۔"

"ماہتاب دھیما دھیما ہو کے غائب ہو گیا مگر نسرین نوش کے جسم نازک کو نو طلوع
آفتاب کے سپرد کرتا گیا۔ اس وقت نسرین نوش کا چلنا، اس نہر کے پانی کی مانند
ہوتا تھا جو بلور کی زمین پر بہہ رہی ہو۔"

"نسرین نوش اس نشۂ شعر کی کیفیت سے لذت یاب معلوم ہوتی تھی اور اس
آئین آفتاب پرستی میں دل سے شریک تھی۔"

"کاشانۂ بلور کے نزدیک جو نہر بہتی تھی، اس تک گئی اور نہر کے اندر جا کر لیٹ
گئی اور دیر تک اس میں بے حرکت پڑی رہی۔" (۱۶)

شمس الرحمٰن فاروقی کی نظر ایک دور دراز کے تہذیبی منطقے کی اسطورہ (۱۷) کی طرف تو گئی ہے جس میں زیئس راج ہنس کا روپ دھار کر لیڈا سے محبت اور پھر شادی کرتا ہے لیکن اپنے تہذیبی خطے کی اساطیر کی طرف نہیں گئی، نل اور دمینتی کا قصہ جو مہا بھارت کے تیسرے حصے "بن پرب" میں موجود ہے اس میں راج ہنس نل کا پیامِ

الفت دمینتی کی طرف لے جاتا ہے، میکنزی کے الفاظ ہیں:

> "All the fair young women gazed in wonder on the Swans, admiring their graceful forms and their plumage gleaming with gold, and eve long they began to persue them among the trees. Then of a suden the bird which Damayanati followed spoke to her in human language.
>
> "Damayanati Hear! The Noble King Nala dewells in Nishadha. Comely is he as a god nor can his equal be found in the world. Thou art the pearl of women and he is the pride of men.
>
> If thou wert wed to him, then would perfect beauty and noble birth be united. Blessed in deed would be the union of the peerless with the peerless."(۱۸)

ڈاکٹر آرزو چوہدری (۱۹) اور ابن حنیف نے بھی اپنی کتابوں میں یہ اسطورہ بیان کی ہے، ابن حنیف کی کتاب ''بھولی بسری کہانیاں، بھارت'' میں اس کہانی پر خاصی تحقیق کی گئی ہے انہوں نے مہابھارت کا یہ حصہ اس طرح نقل کیا ہے:

> ''اے دمینتی! نل نشدھاؤں کا راجہ ہے، وہ اشون (شہ سوار) کی طرح شکیل ہے اور انسانوں میں اس کا کوئی ہم سر نہیں، وہ مجسم کندرپ کی طرح جمیل ہے، اے خوش رنگ (دمینتی) اے پتلی کمر والی اگر تو اس کی بیوی بن جائے تو تیرے وجود اور تیری سندرتا کا مقصد پورا ہو جائے۔''(۲۰)

لسانیات اور تقابلی اساطیر کے ممتاز ماہر پروفیسر میکس میولر نے بھی ان دونوں خطوں کی اساطیر میں اشتراک کے اس پہلو کی نشان دہی کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہنس سورج کی علامت ہے۔ انہوں نے تقابل کے لیے رگ وید کی ایک اور اسطورہ کا انتخاب کیا ہے جو اس وقت ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن اس تقابلی مطالعے میں بھی بنیادی اسطورہ زئیس اور لیڈا (Zeus & Leda) کی ہے۔(۲۱) اساطیر تہذیبی تبادلے کا ایک ذریعہ بھی ہوتی ہیں خود ہمارے ہاں ہنس کی بجائے کبوتر کو محبت کا پیام دینے کی علامت سمجھا جاتا ہے، قیاس کیا جا سکتا ہے کہ زمانی و مکانی بعد میں کبوتر نے ہنس کی جگہ لے لی ہے، اولیاء کے مزار کی نسبت سے کبوتر کی مابعد الطبیعاتی حیثیت کو بھی

نظر میں رکھنا ضروری ہے۔

بہرحال کہانی کی طرف مراجعت کریں تو اس اساطیری حصے کی وجہ سے جو معنویت بنتی ہے وہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کا وجود ایک دوسرے کے لیے بامعنی ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی کھوج میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے تک اپنا پیغام محبت پہنچانے کے لیے بظاہر ناممکن طریقہ ہائے کار بھی استعمال کرتے ہیں۔ یلدرم کی اس کہانی کے پس منظر میں بائبل کی آدم و حوا کی اساطیر بھی موجود ہیں۔ جن کے مطابق دونوں کو ایک دوسرے سے دور دور اس زمین پر اتارا گیا تھا اور پھر دونوں نے ایک دوسرے کی تلاش میں ایک لمبا سفر کیا۔ یہ اسرائیلی روایات مفسرین قرآن کی سخت تردید کے باوجود عوام الناس میں بے حد مقبول ہیں۔ اس کہانی میں سراندیپ اور ہندوستان کا حوالہ اسی عمومی روایت کا لاشعوری حصہ ہو سکتا ہے۔ (۲۲)

حواشی وحوالہ جات

١۔ ابن منظور، لسان العرب، بیروت، جلد چہارم، سن ندارد، ص۳۶۳

٢۔ K.K.Bole, Encyclopedia of Religion, Macmillan Publishing Company New York, 1987, Vol.10, P261-67

٣۔ ارشد مسعود ہاشمی نے اپنے ایک مضمون 'ادب اور اسطور' میں اس امر کی توضیح یوں کی ہے:

''اساطیر انسان کی فکری صورت گرمی کا وہ نامیاتی عنصر ہیں جس نے اس کے لیے ضابطہء حیات کا تعین کیا ہے۔ اساطیری ادب کے عالمی ذخیرے کے مطالعے سے جن خوبصورت، حیرت انگیز اور خیال بردار تماثیل کا احساس ہوتا ہے، وہ نفسی تجربہ کا نقشِ اوّل ہیں۔ تمام اساطیر موت اور زندگی بعد موت یعنی تخلیق اور تخلیق در تخلیق (شو کے رقص کی تحریک جس کی تخریب تعمیر حیات ہے یا حضرت عیسیٰؑ کی طرح جن کا مصلوب کیا جانا اور عرض پر اٹھالیا جانا نویدِ زندگی ہے یا حضرت محمدﷺ کے ہفت افلاک کے سفر کی طرح یا یوسفؑ اور یونسؑ کی تجدید حیات کی طرح) کے آرکی ٹائپ کو فطرت کے دائروی نظام کی مانند پیش کرتے ہیں۔''

(آئندہ، کراچی، شمارہ۹، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۸ء، ص۵۰)

۴۔ Encyclopedia of Religion & Ethics, T & T Clark Ltd; Edinburg, 1974, Vol;IX, P.117

۵۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ۔ تحقیق وتنقید، بیکن بکس، ملتان ۱۹۸۸ء، ص۴۲

۶۔ اس افسانے (نصیر اور خدیجہ) کا متن ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے پہلے فنون، لاہور میں شائع کرایا بعد میں اس اقرار کے باوجود کہ ڈاکٹر انوار احمد نے تاحال اس افسانے کا متن شائع نہیں کرایا (اردو افسانے کی روایت، ص۱۵۹) اس سارے تحقیقی کارنامے کو اس کتاب کی فہرست (مزامیر) میں یوں اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔ ''اردو کا پہلا افسانہ نگار، تحقیق: ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ص۱۵۵'' حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی پہلی کتاب ''افسانے کا منظر نامہ'' جس پر سالِ اشاعت درج نہیں ہے، میں اس طرح کی کوئی معلومات بہم نہیں پہنچائیں بلکہ راشد الخیری کا تذکرہ کیا بھی تو یوں:

(الف) صفحہ نمبر ۳۱ پر معاشرتی اصلاح نگاروں سلطان حیدر جوش، قاضی عبدالغفار، میرزا ادیب، حکیم

یوسف حسن، حامد اللہ افسر وغیرہ کے ساتھ راشد الخیری کا نام بھی ٹانک دیا۔

(ب) اگلے صفحے پر اصلاحِ معاشرت اور حقوق نسواں کے حوالے سے سات سطور میں بھگتا دیا ہے۔

(ج) ص ۵۱ پر بھی سلطان حیدر جوش کے ساتھ وہ ڈیڑھ سطر کے مستحق بنے ہیں۔

(د) ص ۵۷ پر آدھی سطر

(ہ) ص ۸۹ پر آخری بار اس کتاب میں راشد الخیری کا تذکرہ ہے، آدھ سطر میں ایک افسانے ''چہار عالم'' کے حوالے سے کم و بیش پندرہ دیگر افسانہ نگاروں کے ساتھ۔

اس لئے اس افسانے کی دریافت کو کس طرح سے ڈاکٹر حامد بیگ کے نام کے ساتھ موسوم کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ اس ضمن میں دلچسپ بات یہ ہے کہ داستان کو افسانے کی اساس بتانے پر شدومد سے زور دینے کے باوجود ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اردو کے پہلے افسانے ''نصیر اور خدیجہ'' کو ایک غیر معروف انگریز افسانہ نگار لیو لیپے سے متاثرہ تکنیک کا افسانہ قرار دیتے ہیں حالانکہ

(الف) راشد الخیری کا انگریزی زبان سے رشتہ بے حد کمزور تھا۔ وہ سکول میں نویں درجے سے آگے نہ بڑھے۔

(ب) لیو لیپے کا/کے مذکورہ افسانہ/افسانے اس قدر اہم نہ تھا کہ ان کی طرف اردو دان طبقہ متوجہ ہوتا۔

(ج) ڈاکٹر مرزا حامد بیگ بھی کم از کم اپنی پہلی کتاب ''افسانے کا منظر نامہ'' کی اشاعت تک لیو لیپے کے وجود سے آشنا نہ تھے۔

وہ پریم چند پر تو اس لیے غصہ کرتے ہیں کہ انہوں نے (پریم چند) اردو افسانے کا رشتہ داستان کی تخلیقی سپلائی لائن سے کاٹ کر مغرب سے جوڑ دیا لیکن خود راشد الخیری پر بھی مسلمانوں کی زبان میں یہ ''تہمت'' لگا رہے ہیں کہ انہوں نے پہلا افسانہ لیپو لیپے سے مستعار تکنیکی ماڈل میں لکھا۔

وہ ایک طرف تو داستان کو افسانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف مغربی افسانے کو اردو افسانے کا باوا آدم سمجھتے ہیں۔ اُن کی دونوں کتابوں سے ذیل میں درج کئے گئے اقتباسات ان کے ذہن کے گنجلک پن کو ظاہر کرتے ہیں۔

''ہم سب گوگول کے اورکوٹ سے برآمد ہوئے ہیں''

یہ جملہ دوستوفسکی کا ہے اور اگر چہ اس کا روئے سخن روسی افسانہ نگاروں کی طرف تھا لیکن یہ قول روس اور غیر منقسم ہندوستان دونوں پر صادق آتا ہے۔'' (اردو افسانے کی روایت، ص ۲۷)

''ہمارے ہاں مختصر افسانے کی ابتدا نہ تو گوگول کے زیر اثر ہوئی اور نہ ہی ایڈگر ایلن پو کے وضع کردہ فنی اصول وضوابط کے تحت، راشد الخیری کی معرفت اُردو افسانے کیلئے ابتدائی ماڈل لیو لیپے نے فراہم کیا'' (اردو افسانے کی روایت، ص ۲۷)

''یہ حقیقت ہے کہ ہمارے افسانے میں داستان کے زیرِ اثر اپنا سفر آغاز کیا'' (اردو افسانے کی روایت، ص ۲۹)

یہ گنجلک پن کبھی کبھی تضاد کی صورتِ حال بھی پیدا کر دیتا ہے۔

اردو افسانے پر مغربی افسانے کے اثرات کی بحث کو قومی زبان میں شائع ہونے والے ان دو مضامین میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱- ڈاکٹر علمدار بخاری، ''غلام عباس کے افسانوں میں اخذ وقبول کے چند شواہد''، قومی زبان، مئی، ۲۰۰۱

۲- ڈاکٹر مشرف احمد، ''غلام عباس کے دفاع میں''، قومی زبان، ستمبر ۲۰۰۱

۸۔ اردو افسانہ- تحقیق وتنقید، ص ۹۸

۹۔ مضامین پریم چند، مرتبہ عتیق احمد صدیقی، انجمن ترقی اردو، کراچی، باراوّل، ۱۹۸۱ء، ص ۶۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۱۱۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آیا ''خارستان وگلستان'' کو اردو کا طبعزاد افسانہ تسلیم کیا جائے یا ترکی زبان سے ترجمۂ محض۔ یلدرم نے خود اس افسانے کو احمد حکمت مفتی اوغلو کی اسی نام کی کہانی کا ترجمہ کہا ہے۔ یلدرم کے افسانوں کے اس پہلو پر ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن اور ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ان فاضلین کے دلائل زیادہ تر قیاسات پر مبنی ہیں۔ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء کے دوران ایک ترک فاضل ڈاکٹر ایرکن ترکمان (جو سلجوق یونیورسٹی، قونیہ میں اردو کے استاد تھے) نے یلدرم کی کہانیوں پر اپنی تحقیقات کے نتائج خدا بخش ریسرچ جنرل، پٹنہ اور ماہِ نو لاہور میں شائع کرائے ان کا خیال ہے کہ یہ افسانہ (خارستان وگلستان) خالص ترجمہ نہیں ہے بلکہ یلدرم نے اس میں اپنی ثقافتی

بو باس کی شمولیت سے اسے طبعزاد تخلیق کے قریب کر دیا ہے۔

''مترجم نے حسبِ معمول زبان اور اسلوب بیان کو اردو ادب اور ذوق کے مطابق بدل دیا ہے۔ظاہر ہے کہ اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ کچھ مناظر اور ماحول میں بھی تبدیلیاں کی ہیں۔''

اصل ترک افسانے سے تقابل کے بعد انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ

''یہاں ان تینوں افسانوں {ثالث بالخیر، صحبت ناجنس، خارستان وگلستان} کے مقابلے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میر نیر نگ کا بیان بالکل صحیح ہے۔وہ کہتے ہیں ''ان کے بیان میں کہیں کہیں تو انگریزیت کی جھلک ہے اور کہیں کہیں غالباً ترکی زبان کا چربہ ہے مگر داد کے قابل یہ بات ہے کہ انگریزی اور ترکی یہ تقلید عملی طور پر ایجاد کا حکم رکھتی ہے کیونکہ وہ غیر مانوس اور ناخوش گوار نہیں ہونے پاتی''

(ڈاکٹر اریکن ترکمان، سجاد حیدر یلدرم اوران کے ترکی تراجم، ماہ نو، لاہور، جون ۱۹۸۸،ص ۳ تا ۷)

اسلئے اس کہانی کو خالص ترجمہ سمجھنے کی بجائے غیر ملکی زبان کے ایک افسانے سے ماخوذ اردو افسانہ ہی قرار دیا جانا چاہیے

۱۲۔ اردو افسانہ-تحقیق وتنقید،ص ۶۵،۶۶

۱۳۔ یلدرم، سجاد حیدر، خیالستان، مرتبہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، تاج بک ڈپو، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۷۱

۱۴۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، افسانے کی حمایت میں، مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۹۰

۱۵۔ ڈبلیو-بی-ییٹس کی مذکورہ بالا نظم کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس ترجمہ کے لئے مضمون نگار ایم فل کے طالب علم کاشف بلوچ کا شکر گزار ہے:

لیڈا اور راج ہنس

سہمی ہوئی لڑکی پر
اچانک جھٹکا لگتے ہی
پھڑ پھڑاتے ہوئے بڑے بڑے پر
ٹھہر جاتے ہیں

گہرے جالوں کا اس کی رانوں پر پیار بھرا لمس
وہ اس کے بے بس سینے کو اور گدی کو
اپنی چونچ میں بھر لیتا ہے
لیکن یہ خوفزدہ اندھی انگلیاں اسکی ڈھیلی ہوتی
ہوئی رانوں پر پروں کے ٹکڑوں کو
کیسے ہٹا سکتی ہیں
اور اس جسم کو بھی جو اس سفید ملبہ کے
نیچے دبا پڑا ہے
ماسوائے ویران دل کی دھڑکن کو محسوس کرنے کے جو ابھی تک اپنی
جگہ پر موجود ہے
پسلیوں میں ایک جھرجھری اٹھتی ہے
گری ہوئی دیوار، جلتی ہوئی چھت اور مینار
اور ایگا ممنن مر چکا ہے
اس قدر انہاک
فضا میں پھیلی ہوئی بے رحم لہو کی پکڑ
ایسے میں وہ اسکی طاقت کو یہ سب سمجھا سکے گی؟
اس سے پہلے کہ سرد مہر چونچ اسے گرنے کے لئے
چھوڑ دے۔

۱۶۔ خیالستان، ص ۶۹-۷۱

۱۷۔ ٹرائے کی ہیلن زیئس اور لیڈا کی اسی محبت کی یادگار ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے
Robert Graves, Greek Myths & Legends, Cassell, London, 1967, P:98-100

۱۸۔ Mackenzie, Donald, A; India, Senate, London, 1995, P.330

اس سے اگلے صفحے پر اس کتاب میں دمینتی اور راج ہنس کے اس وصال یا راز و نیاز کی خوبصورت تصویر بھی دی گئی ہے۔

۱۹۔ آرزو چوہدری، ڈاکٹر، عالمی داستان، عظیم اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۱۹۶، ۱۹۷

۲۰۔ ابن حنیف، بھولی بسری کہانیاں، بھارت، بیکن بکس، ملتان، ص ۵۷۳

۲۱۔ Muller, Max, F. Contrubutition to the Science of Mythology, Longman's Green & Co; London, 1897, Vol.II, P.515-517

۲۲۔ خیالستان، ص ۸۸